بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ آغاز

قرآن مجید کے ماہر صحابہ کرامؓ

★ سید جلال الدین عمری

دین کی بنیاد قرآن مجید پر ہے۔ قرآن مجید کا جب کوئی حصہ نازل ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے فوراً املا فرادیا کرتے تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اسے حفظ بھی کر لیتے تھے۔ ان میں سے جن افراد کو قرآن مجید زیادہ حفظ تھا، جو اس کی اچھی قرأت کر سکتے تھے اور جو قرآن کے عالم کی حیثیت سے معروف تھے انھیں "قرّاء" کہا جاتا تھا۔ ان میں متعین طور پر ہمیں یہ نام ملتے ہیں:

حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت طلحہ، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت حذیفہ، حضرت سالم، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت ام سلمہ، حضرت ابی بن کعب، حضرت معاذ بن جبل، حضرت زید بن ثابت، حضرت ابو زید (سعد بن عبید) حضرت ابو درداء، حضرت ابو ایوب انصاری، حضرت تمیم بن اوس الداری، حضرت عقبہ بن عامر، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص، حضرت سعد بن عبادہ حضرت ام ورقہ رضی اللہ عنہم[1]

یہ تو ان صحابہ کرام کا ذکر ہے جن کے قاری اور حافظ ہونے کی حدیث اور تاریخ کی کتابوں میں صراحت ہے۔ ورنہ ان کی کثرت تعداد کا اندازہ اس واقعہ سے کیا جاسکتا ہے کہ قبیلہ رعل و ذکوان نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دشمن کے خلاف مدد طلب کی آپؐ

---

[1] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔ قرطبی: الجامع لاحکام القرآن: ۱/۴۱-۴۲۔ طبع بیروت ۱۹۸۸ء۔
ابن حجر فتح الباری: ۹/۵۲ طبع جدید بیروت

نے ان کی مدد کے لیے ستّر صحابہ بھیجے۔ ان لوگوں نے بدعہدی کی اور انھیں بئرِ معونہ کے پاس شہید کر دیا۔ ان صحابہ کے بارے میں حضرت انسؓ فرماتے ہیں " یقال لهم القرّاء " (ان سب کو قاری کہا جاتا تھا)۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ وہ دن میں لکڑی کاٹ کر بیچتے تھے اور رات میں نماز تہجد پڑھتے تھے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ وہ اس آمدنی سے اصحاب صفّہ کی مدد کیا کرتے اور تعلیم حاصل کرتے تھے۔[۱]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے فوراً بعد عرب کے مختلف قبائل مرتد ہو گئے۔ حضرت ابوبکرؓ کو ان کے خلاف جنگ کرنی پڑی۔ مسیلمہ کذاب سے یمامہ میں بڑی شدید جنگ ہوئی۔ اس میں قرآن مجید کے بہت سے قاری اور عالم بھی شہید ہوئے۔ حضرت عمرؓ نے اس کا ذکر کرتے ہوئے حضرت ابوبکرؓ سے فرمایا۔

ان القتل قد استحر یوم الیمامة بقراء القرآن[۲]	یمامہ کی جنگ میں قرآن کے بہت سے قاری قتل ہو چکے ہیں۔

روایات میں آتا ہے کہ اس جنگ میں کام آنے والوں کی تعداد سات سو کے قریب تھی[۳] حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ حدیث کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ جنگ یمامہ میں جو لوگ شہید ہوئے ان میں سے بیشتر حافظ قرآن تھے۔ اس کا ایک مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان میں سے ہر فرد کو پورے قرآن کا حافظ نہیں تھا البتہ تھوڑا بہت حصہ اسے ضرور حفظ تھا۔ اس طرح سب مل کر پورے قرآن کے حافظ تھے[۴]

ہم لوگوں کے درمیان قاری اس شخص کو کہا جاتا ہے جو فن قرأت کے مطابق قرآن شریف کی تلاوت کرے۔ دور اول میں یہ لفظ اس سے زیادہ وسیع معنی میں بولا جاتا تھا۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں:

...... الذین اشتهروا بحفظ	قاری وہ لوگ کہے جاتے تھے جنھیں

---

[۱] بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ الرجیع الخ مع فتح الباری

[۲] بخاری، فضائل القرآن، باب جمع القرآن

[۳] قرطبی: الجامع لاحکام القرآن: ۱/۳۷۔ بدرالدین عینی: عمدۃ القاری: ۱۶/۱۹۷

[۴] فتح الباری: ۹/۱۲

القرآن والتصدی لتعلیمہ و ھذا اللفظ کان فی عرف السلف ایضاً لمن تفقہ فی القرآن [1]	قرآن کے حفظ اور اس کی تعلیم دینے کے سلسلے میں شہرت حاصل تھی۔ یہ لفظ سلف میں اس شخص کے لیے بھی استعمال ہوتا تھا جو قرآن میں بصیرت رکھتا ہو۔

ان واقعات سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاشرہ میں قرآن مجید کا علم کس قدر عام فرمایا تھا اور قرآن مجید کے عالموں کی کتنی بڑی تعداد تھی جو اسے پھیلانے میں لگی ہوئی تھی۔

موجودہ دور میں علم و تحقیق کا دائرہ اس قدر وسیع ہوگیا ہے اور ہر علم کی اتنی شاخیں ہیں کہ ان میں سے کسی ایک میں بھی مہارت مشکل ہی سے پیدا ہوتی ہے۔ اس لیے کسی علم یا اس کی کسی شاخ میں اختصاص ضروری ہوگیا ہے۔ اسے موجودہ دور کی دین سمجھا جاتا ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اس طرح علمی اور فکری تربیت فرمائی تھی کہ علم دین کے ایک ایک شعبہ میں اختصاص رکھنے والے افراد پیدا ہوتے چلے گئے۔ یہاں ہم قرآن شریف کے بعض مختصین اور ماہرین کا ذکر کریں گے۔

قرآن مجید کے حفظ، قرأت اور تعلیم میں سات صحابہ کرام کو خاص شہرت حاصل ہوئی۔ وہ ہیں۔ حضرت عثمان رض، حضرت علی رض، حضرت ابی بن کعب رض، حضرت زید بن ثابت رض، حضرت عبداللہ بن مسعود رض، حضرت ابو درداء رض اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رض۔ ان سے صحابہ کرام اور تابعین کی ایک بڑی تعداد نے قرآن مجید سیکھا اور پھر یہ سلسلہ اسی طرح آگے بڑھا۔[2]

بعض صحابہ تو وہ ہیں جن سے قرآن مجید سیکھنے کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ترغیب دی ہے۔ ارشاد ہے:

خذوا القرآن من اربعۃ، من عبد اللہ بن مسعود	چار شخص سے قرآن سیکھو عبداللہ بن مسعود، سالم مولیٰ ابوحذیفہ، معاذ بن

[1] فتح الباری: ۹/۴۷

[2] سیوطی: الاتقان فی علوم القرآن: ۱/۷۲-۷۳، مطبوعہ مصر ۱۹۲۵ء

وسالم ومعاذ وابی بن کعب[1] جبل اور ابی بن کعب (رضی اللہ عنہم)

اس روایت میں جن چار اشخاص سے قرآن سیکھنے کا حکم ہے ان میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت سالم مولیٰ ابو حذیفہ مہاجرین میں سے تھے اور حضرت معاذؓ اور حضرت ابی بن کعبؓ کا تعلق انصار سے تھا۔[2]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو اس طرح تعلیم دی اور ان کی تربیت فرمائی کہ مہاجرین اور انصار دونوں طبقات سے قرآن مجید کے عالم اور ماہر ابھرے۔ قرآن مجید کے علم میں ان حضرات کے مرتبہ ومقام کی یہاں تھوڑی سی تفصیل پیش کی جا رہی ہے۔

---

[1] بخاری، کتاب فضائل القرآن، باب القراء من اصحاب النبیؐ۔ مسلم، کتاب الفضائل، باب من فضائل عبداللہ بن مسعودؓ۔ جیسا کہ اوپر بیان ہوا کہ صحابہ میں قرآن مجید کے عالم اور قاری بہت سے تھے پھر کیا وجہ ہے کہ ان چار افراد کا آپؐ نے بطورِ خاص ذکر فرمایا؟ اس کی ایک نہیں کئی وجہیں ہو سکتی ہیں۔ علماء نے اس سلسلے میں جو کچھ لکھا ہے اسے ہم اپنے الفاظ میں پیش کریں گے۔

۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس وقت یہ بات فرمائی اس وقت یہ قرآن مجید کے سب سے اچھے حافظ اور قاری تھے۔ اس سے اس بات کی تردید نہیں ہوتی کہ بعض دوسرے اصحاب ان سے زیادہ قرآن میں بصیرت رکھنے والے موجود ہوں اور فی الواقع ایسے افراد تھے۔

۲۔ ہو سکتا ہے ان حضرات نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے براہِ راست قرآن مجید سن کر حفظ کیا ہو۔ دوسرے اصحاب نے کچھ براہِ راست بھی اور کچھ دوسروں سے سن کر حفظ کیا ہو۔ اس لحاظ سے انہیں دوسروں پر فضیلت حاصل ہے۔

۳۔ یہ بھی امکان ہے کہ یہ حضرات قرآن مجید کی تعلیم کے لیے فارغ ہوں اور آپؐ نے ان سے استفادہ کی دوسروں کو ترغیب دی ہو۔

۴۔ آخری امکان یہ بھی ہے گو حافظ ابن حجر نے اسے رد کر دیا ہے، کہ یہ ایک پیشین گوئی ہو سکتی ہے کہ آپ کے بعد یہ لوگ اس کام میں پیش پیش رہیں گے اور اس کے لیے زیادہ وقت دے سکیں گے۔ نووی: شرح مسلم، ۲/۲۹۳۔ فتح الباری: ۹/۴۸

[2] فتح الباری: ۹/۴۹

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ قدیم الاسلام تھے۔ حضرت عمرؓ سے پہلے اسلام لائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس طرح رہتے تھے کہ نئے لوگوں کو شبہ ہوتا تھا کہ آپ خاندان نبوت ہی کے ایک فرد ہیں۔ ۳۳ھ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں انتقال فرمایا۔ حضرت ابو درداءؓ نے انتقال کی خبر سن کر فرمایا ماترک مثلہ (اپنے جیسا کوئی دوسرا شخص نہیں چھوڑا) [۱]

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں:

واللہ لقد اخذت من فی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بضعا و سبعین سورۃ واللہ لقد علم اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم انی لاعلمھم بکتاب اللہ وما انا بخیرھم [۲]	قسم خدا کی! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے سن کر ستر اور استی کے درمیان سورتیں یاد کی ہیں۔ قسم خدا کی نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہ جانتے ہیں کہ میں کتاب اللہ کا ان میں سب سے زیادہ جاننے والا ہوں۔ حالانکہ میں ان میں کا بہتر فرد نہیں ہوں۔

ایک اور موقعہ پر فرماتے ہیں:

واللہ الذی لا الٰہ غیرہ ما	قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی

---

[۱] حالات کے لیے ملاحظہ ہو۔ ابن عبدالبر: الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب: ۲/۳۱۶-۳۲۴
ابن اثیر: اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ: ۳/۳۸۴-۳۹۰

[۲] بخاری: فضائل القرآن، باب القراء من اصحاب رسول اللہؐ۔ مسلم، کتاب الفضائل، باب من فضائل عبداللہ بن مسعود۔ حضرت عبداللہ بن مسعود نے ستر سے زیادہ سورتیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سن کر یاد کی تھیں۔ قرآن مجید کے باقی حصہ کی تعلیم آپ کے بعد حاصل کی۔ قرطبی: الجامع لاحکام القرآن: ۱/۳۹۔ طبع بیروت ۱۹۸۸ء۔ ابو اسحٰق کہتے ہیں باقی قرآن حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے مجمع بن جاریہ الانصاری سے سیکھا۔ ص ۴۲ حوالہ سابق

انزلت سورۃ من کتاب اللہ الا انا اعلم این انزلت ولا انزلت اٰیۃ من کتاب اللہ الا انا اعلم فی من انزلت ولو اعلم احدا اعلم منی بکتاب اللہ تبلغہ الابل لرکبت الیہ۔

معبود نہیں ہے، کتاب اللہ کی جو بھی سورت نازل ہوئی ہیں اس کے بارے میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ وہ کہاں نازل ہوئی اور جو آیت بھی نازل ہوئی، مجھے معلوم ہے کہ وہ کس کے متعلق نازل ہوئی۔ اگر مجھے اس بات کا پتہ چل جائے کہ کوئی شخص مجھ سے زیادہ قرآن مجید کا علم رکھتا ہے اور اس تک (اونٹ کی) سواری پہنچ سکتی ہے تو میں ضرور پہنچنے کی کوشش کرتا۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ضرورت کے تحت اپنے بارے میں ان الفاظ کا استعمال کیا ہے۔ خدانخواستہ اس میں تعلی کا کوئی پہلو نہیں ہے۔ صحابہ کرام خود بھی انہیں قرآن مجید کے بہت بڑے عالم کی حیثیت سے تسلیم کرتے تھے۔ حضرت شقیقؒ[۱] کہتے ہیں کہ میں صحابۂ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے حلقوں میں شریک ہوا۔ کسی نے حضرت عبداللہ بن مسعود کی اس بات کی تردید کی اور نہ ان پر تنقید کی۔[۲]

ابوالاحوص کہتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور ان کے بعض تلامذہ کے ساتھ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے گھر پر تھے۔ یہ لوگ مصحف دیکھ رہے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ مجلس سے اُٹھے تو حضرت ابومسعودؓ نے آپ کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد

---

[۱] حضرت شقیق کا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے خاص تلامذہ میں شمار ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ ہی میں اسلام لے آئے البتہ شرفِ سماع آپ کو حاصل نہیں ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے علاوہ حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ اور حضرت عائشہؓ وغیرہ سے حدیث کی روایت کی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ دو ماہ کی مدت میں انھوں نے قرآن مجید سیکھ لیا۔ اسد الغابہ: ۲/۵۲۷-۵۲۸ تذکرۃ الحفاظ: ۱/۵۶۔ آپ کے صحابی ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں روایات کے اختلاف کے لیے ملاحظہ ہو۔ الاصابہ فی تمیز الصحابہ: ۲/۱۶۷-۱۶۸

[۲] مسلم، کتاب الفضائل، باب من فضائل عبداللہ بن مسعودؓ۔ امام نووی اس حدیث کے ذیل میں فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام نے اس بات کی تردید نہیں کی کہ وہ قرآن کے سب سے بڑے عالم ہیں لیکن اس سے ——

کوئی ایسا فرد نہیں چھوڑا جو اس شخص سے زیادہ قرآن مجید کا جاننے والا ہو۔ یعنی یہ صحابہ میں سب سے زیادہ قرآن کا علم رکھنے والے ہیں۔ اس پر حضرت ابوموسیٰ اشعری رض نے فرمایا کہ آپ کا یہ کہنا صحیح ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب ہم لوگوں کو خدمت میں باریابی کی اجازت نہیں تھی اس وقت انھیں اجازت تھی اور جب ہم آپ کی مجلس سے غیر حاضر ہوتے تو وہ موجود رہتے! اس لیے ان کا علم بھی زیادہ ہے۔[1]

اوپر کی روایات بتاتی ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رض نے قرآن مجید کا بڑا حصہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے براہ راست سنا اور حفظ کیا تھا۔ ان ہی روایات سے یہ خیال ہوتا ہے کہ انھوں نے یہ حصہ آپ کو سنایا بھی تھا۔ چنانچہ ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں:

لقد قرأت علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بضعًا وسبعین سورۃ[2]	میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ستر سے زیادہ سورتیں پڑھی ہیں۔

اس کے اور ثبوت بھی ملتے ہیں۔

حمص کا واقعہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رض سے قرآن مجید سنانے کی درخواست کی گئی۔ آپ نے سورۂ یوسف سنائی۔ ایک شخص نے ٹوکا اور کہا کہ (جس طرح آپ پڑھ رہے ہیں) یہ اس طرح نازل نہیں ہوئی۔ آپ نے فرمایا (تم مجھے ٹوک رہے ہو) میں نے یہ سورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنائی تھی۔ آپ نے تحسین فرمائی اور کہا بہت خوب پڑھا ہے۔[3]

— یہ لازم نہیں آتا کہ وہ سنت کے بھی اتنے ہی بڑے عالم ہوں اور حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی (رضی اللہ عنہم) سے بھی زیادہ سنت سے واقف ہوں۔ اس سے یہ بھی نہیں ثابت ہوتا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رض ان سب سے افضل اور برتر ہیں اس لیے کہ یہ ہو سکتا ہے کہ ایک شخص بڑا عالم ہو اور دوسرا شخص ورع و تقویٰ میں آگے ہو اور اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسے زیادہ اونچا مقام حاصل ہو۔ شرح مسلم: ۲/۲۹۳

[1] مسلم، کتاب الفضائل، باب من فضائل عبداللہ بن مسعود رض

[2] حوالہ سابق

[3] بخاری، فضائل القرآن، مسلم، فضائل القرآن، باب فضل استماع القرآن الخ

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے فرمایا کہ قرآن سناؤ۔ انھوں نے عرض کیا، میں آپ کو قرآن کیا سناؤں؟ قرآن تو آپؐ پر نازل ہوا ہے۔ آپؐ نے فرمایا میرا جی چاہ رہا ہے کہ کسی دوسرے سے قرآن سنوں۔ پھر انھوں نے سورۂ نساء پڑھی۔ جب اس آیت پر پہنچے فکیف اذا جئنا من کل امۃ بشہید وجئنا بک علیٰ ھٰؤلاء شہیدا (النساء: ۴۱) (پس کیا حال ہوگا اس وقت جب ہم ہر امت میں سے ایک گواہ لائیں گے اور ان لوگوں پر تمھیں گواہ کی حیثیت سے کھڑا کریں گے) تو آپؐ نے فرمایا اب بس کرو۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں میں نے دیکھا کہ آپؐ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہیں [1]

اس حدیث کے بہت سے پہلو قابل غور ہیں۔ ایک پہلو یہ بھی ہے کہ اس میں حضرت عبداللہ بن مسعود کی ہمت افزائی تھی۔ اس طرح آپؐ نے ان کے حفظ و قرأت کو سند توثیق عطا فرمائی۔ یہ بھی تعلیم کا ایک طریقہ ہے۔

ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ مسجد میں رات کے وقت نماز پڑھ رہے تھے۔ قرأت جاری تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے باہر نکلے تو قرأت سننے لگے۔ آپؐ کے ساتھ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ تھے فرمایا:

من سرّہ ان یقرأ القرآن رطبا کما انزل فلیقرأ علی قرأۃ ابن ام عبد [2]	جس شخص کے لیے یہ بات باعث مسرت ہو کہ وہ قرآن کو اسی طرح تر و تازہ پڑھے جس طرح کہ وہ نازل ہوا ہے تو وہ عبداللہ بن مسعود کی قرأت کے مطابق قرأت کرے۔

حضرت سالمؓ مولیٰ ابوحذیفہؓ

حضرت سالمؓ کا تعلق فارس کے علاقہ اصطخر سے تھا۔ وہ حضرت ابوحذیفہؓ کی بیوی کے غلام تھے۔ انھوں نے انھیں آزاد کر دیا۔ آزادی کے بعد حضرت سالمؓ حضرت ابوحذیفہ کی سرپرستی میں چلے گئے۔ انھوں نے حضرت سالم کو اپنا متبنیٰ بنا لیا

---

[1] بخاری، فضائل القرآن، باب قول المقری للقاری حسبک

[2] مسند احمد: ۱/۲۶-۳۸ ابن ماجہ ۱۳۲

مکہ کے ابتدائی دور میں اسلام لائے۔ مدینہ ہجرت کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ تشریف لانے سے قبل یہ مہاجرین کی، جن میں حضرت عمرؓ جیسی شخصیت بھی شامل تھی۔ امامت کرتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ قرآن انہیں زیادہ حفظ تھا۔ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت عائشہؓ کا انتظار فرما رہے تھے، وہ تاخیر سے پہنچیں۔ آپ نے وجہ دریافت کی تو عرض کیا کہ ایک قاری قرأت کر رہا تھا، میں سننے میں مصروف ہوگئی اور قرأت کی تعریف کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کپڑے ٹھیک کیے اور باہر نکل کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ حضرت سالم ہیں۔ فرمایا اللہ کا شکر ہے کہ اس نے میری امت میں تم جیسے قاری پیدا کیے۔

حضرت سالم جنگ یمامہ میں شہید ہوئے۔ حضرت عمرؓ ان کی بہت تعریف فرمایا کرتے تھے۔ فرمایا اگر سالم زندہ ہوتے تو میں خلافت کا معاملہ شوریٰ کے حوالہ نہ کرتا۔ علامہ ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کا مطلب یہ تھا کہ وہ حضرت سالمؓ کے مشورہ پر عمل کرتے۔ [۱]

حضرت ابی بن کعبؓ

حضرت ابی بن کعبؓ کا تعلق انصار کے قبیلہ خزرج سے تھا۔ وہ بیعت عقبہ ثانیہ

---

[۱] جنگ یمامہ میں خاص طور پر حضرت اسامہؓ کی شہادت کی وجہ سے حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے عرض کیا کہ قرآن کو ایک جگہ جلد جمع کر لیا جائے۔ چنانچہ اس مشورہ پر عمل ہوا۔ فتح الباری ۸/۱۰۔ اس جنگ میں حضرت حضرت سالم سے کہا گیا کہ علم ان کے پاس رہے۔ بعض لوگوں نے کہا کہ اس سے آپ کی جان کو خطرہ ہے۔ یہ خدمت ہم کسی دوسرے سے لیں گے۔ اس کے جواب میں انھوں نے فرمایا۔ اگر یہ ہوا یعنی اپنی جان بچانے کے لیے میں نے علم دوسرے کے حوالے کر دیا تو میں ایک برا حامل قرآن ہوں گا۔ چنانچہ علم ان کے پاس رہا۔ ان کا دایاں ہاتھ کٹ گیا تو بائیں ہاتھ میں علم لے لیا۔ بایاں ہاتھ بھی کٹ گیا تو بازوؤں کے ذریعہ سینے سے علم تھام لیا۔ جب زمین پر گر پڑے تو حضرت ابوحذیفہ اور ایک دوسرے صاحب کا حال معلوم کیا۔ بتایا گیا کہ وہ دونوں شہید ہوگئے تو فرمایا ان کے بیچ میں مجھے لٹا دو۔ رحمہم اللہ

بنا کردند چہ خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن خدا رحمت کند این عاشقانِ پاک طینت را

حالات کے لیے ملاحظہ ہو۔ الاستیعاب ۲/۷۰ الاصابہ: ۲/۷۔ اسد الغابہ: ۲/۳۰۷-۳۰۸

میں شریک تھے جس میں انصار نے آپ کی حمایت کا عہد کیا تھا۔ اسی کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ ہجرت فرمائی۔ جنگ بدر اور بعد کے غزوات میں شریک رہے۔ قرآن کے حفظ و قرأت میں صحابہ کے درمیان بڑی شہرت کے حامل تھے۔ امام ذہبی فرماتے ہیں اقرأ الصحابۃ و سید القراء[1] (وہ صحابہ میں قرآن کے سب سے بڑے حافظ اور عالم اور قاریوں کے سردار تھے) روایات سے اندازہ ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف خاص توجہ فرمائی تھی۔ ایک روایت میں ہے کہ آپؐ نے ان سے فرمایا :

ان اللہ امرنی ان اقرأ علیک القرآن۔ — اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمھیں قرآن سناؤں۔

ایک اور روایت میں ہے :

ان اللہ امرنی ان اقرئک القرآن۔ — اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمھیں قرآن کی تعلیم دوں۔

پہلی روایت بتاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ہدایت تھی کہ آپ حضرت ابی بن کعب کو قرآن مجید سنائیں۔ دوسری روایت کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہدایت حضرت ابی بن کعب کو قرآن پڑھانے کی تھی۔ ان دونوں باتوں میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ اس لیے کہ آپ کا سنانا بھی دراصل درس و تدریس ہی کے لیے تھا تاکہ وہ قرآن آپؐ سے اچھی طرح سیکھ سکیں۔ اس سے ایک بات یہ بھی نکلتی ہے کہ قرآن مجید کا دوسروں کو سنانا بھی سنت ہے اس میں حضرت ابیؓ سے قرآن سیکھنے کی ترغیب بھی تھی۔ چنانچہ بعد میں ان کی حیثیت قرأت کے امام کی ہوگئی۔[2]

یہی روایت ان الفاظ کے ساتھ بھی آئی ہے :

ان اللہ امرنی ان اقرأ علیک لم یکن الذین کفروا۔ — اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمھیں سورۂ بینہ لم یکن الذین کفروا سناؤں۔

ہوسکتا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو سورۂ بیّنہ ہی کے سنانے کی

---

[1] تذکرۃ الحفاظ : ۱/۱۶

[2] فتح الباری : ۷/۱۲۷ عمدۃ القاری : ۱۳/۳۵۰

ہدایت ہو[1] اس کا بھی امکان ہے کہ ہدایت قرآن کی تعلیم کی ہو اور اس وقت آپ نے صرف سورۂ بینہ کی تعلیم دی ہو[2] بہرحال جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کا ذکر فرمایا تو حضرت ابی رض نے سوال کیا کہ کیا اللہ نے میرا نام لے کر کہا ہے؟ آپ نے فرمایا' ہاں اللہ نے تمھارا نام لے کر کہا ہے انھوں نے کہا کہ کیا رب العالمین کے دربار میں میرا ذکر ہوا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ حضرت ابی رض فرط مسرت سے رونے لگے[3]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی قرأت کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا:

اقرأهم ابی بن کعب (ابی بن کعب صحابہ میں سب سے بڑے قاری ہیں)[4]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ ابیّ اقرأنا (ابی رض ہمارے سب سے بڑے قاری ہیں)

یہ ان صحابہ میں سے تھے جنھوں نے حفظ و قرأت کے ساتھ عہد رسالت ہی میں قرآن جمع بھی کر لیا تھا۔

۱ھ اسی کو حافظ ابن حجر نے ترجیح دی ہے۔ فتح الباری: ۸/۲۵۷

۲ھ اس سورت کے انتخاب کی وجہ، جیسا کہ علامہ قرطبی نے کہا ہے' یہ ہے کہ اس چھوٹی سی سورت میں توحید، رسالت، اخلاص، انبیاء پر نازل کردہ صحف، نماز، زکوٰۃ، آخرت اہل جنت، اہل جہنم اور ان کی جزا و سزا کا ذکر ہے (اس طرح پورا دین اس میں آگیا ہے) فتح الباری: ۷/۱۲۷۔ عمدۃ القاری: ۱۳/۳۵۰

۳ھ ترمذی، ابواب المناقب، باب مناقب معاذ بن جبل۔ بخاری، کتاب التفسیر، سورہ لم یکن

۴ھ پوری روایت یہ ہے: ابی اقرأنا وانا لندع من لحن ابیّ وابیٌ یقول اخذته من فی رسول الله فلا اترکه لشیٔ قال الله تعالیٰ ما ننسخ من آیة او ننسها نأت بخیر منها او مثلها۔ بخاری، باب القراء من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ابی رض ہمارے درمیان سب سے بڑے قاری ہیں لیکن ہم ان کی یہ بات نہیں تسلیم کر سکتے کہ قرآن مجید میں کسی آیت کی تلاوت منسوخ نہیں ہوئی ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ جو آیتیں منسوخ ہیں وہ بھی انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سنی ہیں۔ اس لیے وہ ان کی تلاوت نہیں چھوڑ سکتے حالانکہ قرآن مجید نے خود نسخ کا صاف الفاظ میں ذکر کیا ہے۔ ما ننسخ من آیة الخ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی قرأت کے ساتھ ان کے علم کی بھی تعریف فرمائی ہے۔ حضرت ابی خود بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے دریافت کیا کہ اللہ کی کتاب میں سب سے بڑی (عظمت والی) آیت کون سی ہے؟ میں نے عرض کیا۔ اللہ اور اس کے رسول کو اس کا بہتر علم ہے۔ آپ نے دوبارہ یہی سوال کیا تو میں نے عرض کیا آیت الکرسی۔ آپؐ نے خوشی سے دست مبارک میرے سینے پر رکھا اور فرمایا لیہنئک العلم ابا المنذر (اے ابوالمنذر! علم (قرآن) تمھیں مبارک ہو۔[۱]

حضرت عمرؓ انھیں سید المسلمین کہا کرتے تھے۔ ان سے قرآن مجید سنتے، ان کا بڑا احترام کرتے اور مشکلات میں ان کی طرف رجوع کرتے تھے۔

علامہ ابن البرؒ فرماتے ہیں کہ ان کا انتقال اکثر مورخین کے نزدیک باختلاف روایت ۱۹ھ، ۲۰ھ یا ۲۲ھ کو حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں ہوا۔ علی بن مدینی کہتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں رحلت ہوئی۔ واقدی اور ابو نعیم کی یہی رائے ہے۔[۲]

حضرت معاذ بن جبلؓ

بیعت عقبہ میں انصار کے جو ستر افراد شریک ہوئے ان میں حضرت معاذؓ بھی تھے۔ اٹھارہ برس کی عمر میں اسلام لائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت معاذؓ کے درمیان مدینہ میں مواخات کرائی تھی۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت جعفر بن ابی طالبؓ کے ساتھ مواخات ہوئی تھی۔[۳] غزوۂ بدر اور دیگر غزوات میں شریک رہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یمن کا قاضی بنا کر بھیجا تاکہ وہ وہاں قرآن اور شریعت کی تعلیم دیں اور مقدمات کا فیصلہ کریں۔ زکوٰۃ اور صدقات کی وصولی بھی ان ہی کے ذمہ تھی۔ طاعون عمواس میں انتقال ہوا۔ عمر میں تھوڑا سا اختلاف

۱ھ مسلم، فضائل القرآن، باب فضل سورۃ الکہف وآیۃ الکرسی

۲ھ حالات کے لیے ملاحظہ ہو۔ الاستیعاب، ۱/۴۷-۵۲ - الاصابہ: ۱/۱۹-۲۰
اسد الغابہ: ۱/۶۱-۶۳ تذکرۃ الحفاظ ۱/۱۶

۳ھ ابن عبدالبر: الاستیعاب: ۳/۳۵۶

ہے۔ زیادہ تر حضرات کی رائے یہ ہے کہ ۳۸ برس کی عمر پائی۔[۱]

حضرت معاذ ان صحابہ میں تھے جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ہی میں قرآن جمع کیا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ علما جب اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضر ہوں گے تو معاذؓ ان سے اپنے مرتبہ ومقام کے لحاظ سے بہت آگے ہوں گے۔ ان کے درمیان اتنا فاصلہ ہوگا جتنے فاصلہ پر ایک تیر پہنچتا ہے یا اس سے دوگنا۔[۲]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا۔ اگر میں معاذ کو خلیفہ بناؤں اور اس کے بارے میں میرا رب مجھ سے سوال کرے تو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی قول کا حوالہ دوں گا۔[۳]

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ حضرت معاذؓ 'امت' 'قانت' تھے۔ کسی نے کہا کہ یہ الفاظ تو حضرت ابراہیمؑ کے لیے آئے ہیں۔ انھوں نے فرمایا: 'امت' اس شخص کو کہا جاتا ہے جو دنیا میں خیر اور نیکی کو پھیلائے اور اس کی پیروی کی جائے اور 'قانت' وہ ہے جو اللہ کا اطاعت گزار ہو۔ یہ دونوں خوبیاں حضرت معاذ میں بدرجۂ اتم تھیں۔ ہم انھیں حضرت ابراہیمؑ کا نمونہ کہا کرتے تھے۔[۴]

ابومسلم خولانی کہتے ہیں کہ میں حمص کی مسجد میں پہنچا تو دیکھا کہ تیس کے قریب معمر صحابہ تشریف فرما ہیں۔ ان میں ایک خوب رو اور حسین وجمیل نوجوان بھی ہے جو خاموش رہتا ہے۔ جب کسی مسئلہ میں ان لوگوں کو تردد ہوتا ہے تو وہ اس نوجوان سے معلوم کرتے ہیں۔ مجھے بتایا گیا کہ یہ معاذؓ ہیں۔[۵]

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ

حضرت زید بن ثابتؓ انصار میں سے تھے۔ قبیلۂ خزرج سے تعلق تھا۔ ان کے باپ جنگِ

۱۔ اسدالغابہ: ۵/۱۹۷ نیز الاستیعاب۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں۔ عاش اربعا وثلاثین سنۃ وقیل غیر ذالک۔ اصابہ: ۳/۴۲۷ ۲۔ اسدالغابہ: ۵/۱۹۶
۳۔ تذکرۃ الحفاظ: ۱/۱۹ ۴۔ الاستیعاب: ۳/۳۶۱ ۵۔ تذکرۃ الحفاظ: ۱/۱۹

بعاث میں کام آگئے۔ اس وقت وہ چھ برس کے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے تو ان کی عمر گیارہ برس تھی۔ آپ سے یہ کہہ کر ان کا تعارف کرایا گیا کہ بنو نجار سے ان کا تعلق ہے اور سترہ سورتیں پڑھ چکے ہیں[۱]۔ انھوں نے قرآن مجید سنایا تو آپ نے مسرت کا اظہار فرمایا[۲]۔

جنگ بدر میں ان کے کم عمر ہونے کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شرکت کی اجازت نہیں دی۔ البتہ جنگ احد میں شریک ہوئے۔ ایک رائے یہ ہے کہ وہ احد میں بھی شریک نہیں تھے پہلی مرتبہ غزوۂ خندق میں شریک ہوئے۔ مسلمانوں کے ساتھ مٹی ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محبت سے فرمایا یہ بڑا اچھا لڑکا ہے[۳]۔

جنگ تبوک میں بنو مالک بن نجار کا عَلَم عمارہ بن حزمؓ کے پاس تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عَلَم ان سے لے کر حضرت زیدؓ کے حوالہ فرما دیا۔ حضرت عمارہؓ نے دریافت کیا کہ میرے بارے میں کوئی ناپسندیدہ بات آپ کے علم میں آئی ہے؟ (جس کی وجہ سے آپ نے علم مجھ سے لے لیا) آپ نے فرمایا نہیں! لیکن قرآن مجید مقدم ہے۔ زید نے تم سے زیادہ قرآن حاصل کیا ہے[۴]۔

حضرت زیدؓ کاتب وحی تھے۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ قرآن مجید کی کتابت بہت سے صحابہ نے کی ہے۔ مدینہ میں زیادہ تر حضرت زید کتابت فرمایا کرتے تھے۔ جب وحی نازل ہوتی اور یہ موجود نہ ہوتے تو آپ دوسرے اصحاب کو لکھا دیا کرتے تھے[۵]۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جو خطوط بھیجے جاتے وہ بھی حضرت زید لکھا کرتے تھے حضرت ابو بکر اور حضرت عمر کے عہد خلافت میں بھی انھوں نے مراسلت کا فرض انجام دیا۔ حضرت عمرؓ نے انھیں دو مرتبہ حج کے موقع پر مدینہ میں اپنا جانشین مقرر فرمایا۔ شام کے سفر پر روانہ ہوئے تو بھی حضرت زید ہی آپ کے جانشین تھے۔ شام سے خط لکھا تو اس طرح خطاب فرمایا، زید بن ثابت کے نام عمر بن خطاب کی طرف سے، حضرت عثمانؓ بھی جب حج پر تشریف

---

[۱] ابن حجر: الاصابہ فی تمییز الصحابہ: ۱/۵۶۱   [۲] ذہبی: تذکرۃ الحفاظ: ۱/۳۰

[۳] الاستیعاب فی اسماء الاصحاب: ۱/۵۵۲ - اسد الغابہ: ۲/۲۷۸ نیز ملاحظہ ہو الاصابہ: ۱/۵۶۱

[۴] اسد الغابہ: ۲/۲۷۸ - اصابہ: ۱/۵۶۱ - علامہ ابن عبد البر فرماتے ہیں کہ یہ روایت میرے میرے نزدیک صحیح نہیں ہے۔ الاستیعاب: ۱/۵۵۲

[۵] تفصیل کے لیے دیکھی جائے۔ فتح الباری: ۸/۲۲

لے جاتے تو انھیں اپنا جانشین بنا کر جاتے۔[1]

حضرت عمرؓ کے عہد میں قاضی تھے۔ ان کا وظیفہ مقرر تھا[2]۔ حضرت عثمانؓ کے عہد میں بیت المال کے نگراں رہے۔[3]

حضرت زید کا ان صحابہ میں شمار ہوتا ہے جو فتویٰ دیا کرتے تھے۔ سلیمان بن یسار کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ فتویٰ، فرائض اور قراءت کے معاملے میں انھیں سب سے مقدم رکھتے تھے۔[4]

شعبی کہتے ہیں کہ قرآن اور فرائض سے متعلق مسائل میں حضرت زید کا مقام دوسروں سے برتر اور بلند تر تھا۔

مسروق کہتے ہیں کہ میں مدینہ آیا تو دیکھا کہ حضرت زید بن ثابت کا شمار راسخین فی العلم میں ہوتا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ حضرت زید بیوی بچوں کے درمیان بہت بے تکلف اور پر مذاق رہتے۔ گھر سے باہر جب لوگوں کے ساتھ ہوتے تو بڑے باوقار رہتے۔

امام مالک فرماتے ہیں کہ مدینہ کے لوگوں کے امام ہمارے نزدیک حضرت عمرؓ کے بعد حضرت زیدؓ بن ثابت تھے۔ ان کے بعد عبداللہ بن عمرؓ کو یہ مقام حاصل تھا۔[5]

حضرت زید بن ثابتؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں قرآن جمع کیا تھا۔
جن لوگوں نے ان کو قرآن سنایا اور ان سے قرآن سیکھا ان میں حضرت عبداللہ بن عباس اور ابو عبدالرحمان سلمی جیسی شخصیتیں شامل ہیں۔[6]

شعبی کہتے ہیں حضرت زید بن ثابت سواری پر سوار ہونے جا رہے تھے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے آگے بڑھ کر رکاب تھام لی۔ حضرت زید نے فرمایا۔ اے ابن عم رسول! یہ آپ کا کام نہیں! آپ ذرا کنارے ہو جائیں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا نہیں۔ ہم اپنے علماء اور بزرگوں کا اسی طرح احترام کرتے ہیں۔[7]

حضرت زید بن ثابتؓ کا سب سے بڑا کارنامہ قرآن مجید کی جمع و ترتیب ہے۔ اس معاملہ میں حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ سب نے ان پر اعتماد کیا۔

---

1 الاستیعاب: ۱/۵۵۲-۵۵۳ 2 تذکرۃ الحفاظ: ۱/۳۰

3 حضرت عثمان ایک روز بیت المال پہنچے۔ دیکھا کہ ایک شخص بیت المال کے کاموں میں تعاون کر رہا ہے۔ حضرت زید نے بتایا یہ میرا غلام وہیب ہے۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا یہ تو مسلمانوں کے کام میں تعاون کر رہا ہے اس میں اس کا حق ہے۔ دو ہزار اس کا وظیفہ مقرر کرنا چاہا تو حضرت زیدؓ نے فرمایا ایک غلام کے لیے دو ہزار مقرر نہیں ہو سکتے۔ پھر انھوں نے ایک ہزار مقرر فرمائے۔ الاستیعاب: ۱/۵۵۴

4 تذکرۃ الحفاظ: ۱/۳۰ 5 الاستیعاب: ۱/۵۵۳

6 تذکرۃ الحفاظ: ۱/۲۹-۳۰ 7 الاصابہ فی تمییز الصحابہ: ۱/۵۶۱